بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

مسجدِ اقصیٰ؛صہیونیوں کے نرغے میں!

اسرائیل کو تسلیم کرنے پر پاکستان میں صدر مشرف نے اگست ۲۰۰۳ء میں بحث مباحثہ کا آغاز کیا جو تا حال مختلف پہلوؤں سے جاری ہے۔ ابھی حال ہی (جنوری ۲۰۰۷ء) میں جنرل پرویز مشرف 'ہم خیال ممالک کا گروپ' تشکیل دینے کے لئے مشرقِ وسطیٰ کے ۵ ممالک کا دورہ بھی کر آئے ہیں جس کے نتیجے میں اسلام آباد میں ایران اور شام کو نظر انداز کر کے باقی مسلم ممالک کے وزرا خارجہ کا اجلاس بھی منعقد ہو چکا ہے۔ صدر کے دورے کے فوراً بعد فروری ۲۰۰۷ء میں ایک بار پھر مسجدِ اقصیٰ کو صہیونی جارحیت کا نشانہ بننا پڑا ہے۔ ان حالات میں مناسب سمجھا گیا کہ مسلمانانِ پاکستان کے سامنے مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں یہودیوں کے موقف اور صہیونیوں کے اس کردار کو پیش کیا جائے جو بوجوہ نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ زیر نظر مضمون سے مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں بعض ضروری حقائق سے مطلع کرنا ہی مقصود ہے۔ جہاں تک اس موضوع کے دیگر پہلو اور بعض دینی رسائل میں مسجدِ اقصیٰ کی تولیت پر ایک شرعی بحث کا تعلق ہے تو اس کے لئے مستقل مضمون درکار ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ کے اوائل دورِ خلافت (۱۴ھ/۶۳۶ء) میں حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کی زیر قیادت مسلمانوں نے بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کے بعد لگا تار ۱۴ صدیوں (۱۹۶۷ء) تک بیت المقدس کا شہر اور مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کی نگرانی میں ہی رہے۔ درمیان میں ۱۰۹۹ء سے ۱۱۸۷ء (۱۵/رجب ۵۸۳ھ) تک کے ۸۸ برس ایسے گزرے جب بیت المقدس پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے ان کے قبضہ سے واگزار کرایا۔ ۷ جون ۱۹۶۷ء کو یہودیوں نے پورے بیت المقدس پر اپنے قبضہ کو توسیع دے لی جبکہ اس سے قبل ۱۹۴۸ء میں برطانیہ کے تعاون سے وہ فلسطین کی سرزمین پر اسرائیلی ریاست بھی قائم کر چکے تھے۔

۱۸۹۷ء میں سوئٹزر لینڈ کے شہر بال میں منعقدہ عالمی کانفرنس کے نتیجے میں بپا ہونے والی صہیونی تحریک کے دو بنیادی اہداف تھے: ایک تو ارضِ مقدس میں یہودیوں کے لئے مستقل وطن کا قیام اور دوسرا مسجدِ اقصیٰ کی جگہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر☆۔ صہیون کا لفظ دراصل

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

بیت المقدس⦿ یا اس پہاڑی کے لئے بولا جاتا ہے جس پر مسجد اقصیٰ موجود ہے، اس لحاظ سے ارضِ مقدس کے علاقہ کو اپنے وطن کے لئے منتخب کرنا اور مسجد اقصیٰ کی جگہ اپنے معبد کو تعمیر کرنا ہی تحریکِ صہیونیت کے بنیادی اہداف ہیں۔

اس تحریک کے پہلے ہدف یعنی ارضِ مقدس کو یہودی وطن قرار دینے کے بارے میں یاد رہنا چاہئے کہ برطانیہ نے اس مقصد کے لئے پہلے پہل یہود کو براعظم افریقہ کے بعض ممالک: ایتھوپیا، تنزانیہ وغیرہ دینے کی پیش کش بھی کی تھی کیونکہ بیت المقدس کو یہ مقدس حیثیت تمام یہودیوں کے ہاں حاصل نہیں بلکہ بعض یہودی مثلاً افریسی فرقہ یہ حیثیت افریقی ملک ایتھوپیا کے ایک مقام کو دیتے ہیں اور ان کے نزدیک تابوتِ عہد بھی وہیں ہے۔ یہ فرقہ نہ بیت المقدس کو یہ حیثیت دیتا ہے اور نہ ہی ہیکل کو تعمیر کرنے کا داعی ہے جبکہ سامری فرقہ نابلس شہر کو مقدس حیثیت دیتا ہے▣ لیکن آخر کار یہود کے تسلیم نہ کرنے کی بنا پر ۱۹۴۸ء میں برطانیہ نے یہاں سے واپس جاتے ہوئے فلسطین کی سرزمین اس کے اصل باشندوں کی

☆ ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ WAMY کے زیر نگرانی تیار شدہ انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ الصهيونية ترمي إلى إقامة دولة لليهود في فلسطين... وإعادة تشييد هيكل سليمان من جديد بحيث تكون القدس عاصمة لها (موسوعة الأديان والمذاهب : ۵۲۱/۱) ہیکل سلیمانی کا صہیونی تصور تاریخی حقیقت سے زیادہ روحانی ہے، صہیونی ریاست کا مطلب سادہ الفاظ میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہے: ''فإن الدولة الصهيونية هي الهيكل الثالث'' (موسوعة اليهود واليهودية)

⦿ صہیون Zion کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، البتہ اس کے تمام معانی میں بیت المقدس سے کوئی نہ کوئی مناسبت ضرور پائی جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بیت المقدس میں ایک عبادت گاہ کا نام ہے۔ بعض لوگ اس سے بیت المقدس میں 'صہیون' نامی مقدس پہاڑ مراد لیتے ہے جس پر یہودی روایات کے مطابق حضرت داود کی قبر تھی یا اس پر حضرت مریمؑ نے عبادت کی تھی۔ بعض کے نزدیک جبل صہیون اس جبل قدس / جبل موریا Temple Mount کے مترادف ہے جس پر مسجد اقصیٰ واقع ہے۔ بعض کے خیال میں صہیون کا لفظ پورے شہر بیت المقدس کے لئے عام ہے۔ بعض اوقات اسے یہودی ماؤں پر بولا جاتا ہے چنانچہ یہودی عورتوں کو بنتِ صہیون کہا جاتا ہے، اس وقت اس سے کوئی زمینی مقام کی بجائے مذہبی تصور مراد ہوتا ہے۔ صہیونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے مسیح کی آمد پر یہ علاقہ دنیا بھر کا مرکزِ حکومت بن جائے گا۔

▣ مزید تفصیل: فلسطین میں یہودیوں کی آباد کاری از مولانا مجاہد الحسینی، ۲ قسطیں ضربِ مؤمن ۱۷ نومبر ۲۰۰۶ء اور متذکرہ یہودی فرقوں کے عقائد کے لئے: موسوعة الأديان والمذاهب: ۵۰۳/۱

© rasailojaraid.com

بجائے یہود کے حوالے کردی۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسئلہ کشمیر کی طرح قضیہ فلسطین...... جو دنیا کے دو اہم مسئلے اور جنگوں کی بنیادی وجہ رہے ہیں اور ہر دو مسلمانوں کے ساتھ ظلم روا رکھا گیا ہے......کو پیدا کرنے والی حکومت برطانیہ ہی ہے، جن کو بعد میں حل کرنے کی بجائے ظالم کی سرپرستی کرکے امریکہ مزید پنپنے کے مواقع فراہم کررہا ہے۔

جہاں تک اس سرزمین پر یہودی قبضے اور اسے ان کا وطن قرار دینے کا تعلق ہے تو عالمی قوتوں کی کھلم کھلا تائید کے بعد ہی یہود کا اس پر غاصبانہ قبضہ ہوا جس میں اِنہی قوتوں کی مدد سے ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے بیت المقدس تک مزید توسیع کرلی۔ یہ اس مسئلہ کا ایک سیاسی پہلو ہے اور ایک مستقل موضوع ہے کہ یہودیوں کو یہاں بساتے ہوئے عالمی قوتوں نے یہاں کے باشندوں سے کونسی زیادتیوں کا ارتکاب کیا۔ اس پہلو کو ہم فی الحال مؤخر کرتے ہیں۔

جہاں تک تحریکِ صہیونیت کے دوسرے نظریے کا تعلق ہے یعنی مسجد اقصیٰ کی جگہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر تو یہ واضح رہنا چاہئے کہ نہ صرف سپر قوتیں، عالمی رائے عامہ بلکہ خود اسرائیلی حکومت نے بھی کبھی موجودہ 'مسجدِ اقصیٰ' پر قانونی حق رکھنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ صہیونیوں کے پاس محض ایک پروپیگنڈہ ہے کہ اس مسجد کے نیچے ہیکل سلیمانی کے آثار موجود ہیں، اس بنا پر جذباتی طور پر وہ اس مسجد کو نعوذ باللہ منہدم کرکے یہاں ہیکل سلیمانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس پر یہود کے غاصبانہ قبضہ کو ۳۹ برس پورے ہونے کے باوجود اُنہوں نے کھلم کھلا سرکاری طور پر اس کو منہدم کرنے کا عزم کبھی ظاہر نہیں کیا بلکہ وہ ہمیشہ سے ہی بظاہر اس کی حفاظت کا ہی دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ چونکہ مسجدِ اقصیٰ اس وقت بیت المقدس (یہودیوں کا دیا ہوا نام: یروشلم) کی انتظامیہ کے زیر نگرانی ہے، اس بنا پر یہود کو کوئی ایسے جواز حاصل ہوجاتے ہیں کہ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے عملاً مسجد پر جارحیت کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ اس مسجد پر مسلمانوں کے قانونی استحقاق کو یہودیوں کے تسلیم کرنے کا پتہ اس امر سے بھی چلتا ہے کہ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد اُنہوں نے اس مسجد کا متولی اُردن کے ہاشمی خاندان کو قرار دیا اور اس کے بعد سے احاطہ قدس کا کنٹرول بظاہر یروشلم کے مسلم وقف کے ہی حوالے ہے۔ ('الشریعۃ' بابت ستمبر ۲۰۰۳ء، ص ۴۰)

ایسے ہی جب بھی اس مسجد کو نقصان پہنچانے کی کوشش ہوئی تو اسرائیلی حکومت بظاہر اس کا

© rasailojaraid.com

مداوا کرنے کی کوششیں بھی کرتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر ۲۱/اگست ۱۹۶۹ء میں جب آسٹریلیا کے ایک یہودی ڈینس مائیکل (یا ڈینس روہان) کے ذریعے مسجد میں آگ لگائی گئی جو ۴۰۰ مربع میٹر تک پھیل گئی تو اسرائیلی انتظامیہ نے عملاً آگ بجھانے کی کاروائیوں کو ممکنہ حد تک مؤخر کرنے کی کوشش کی تاکہ مسجد کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچ سکے، لیکن دوسری طرف اس یہودی کے خلاف اسرائیلی عدالت میں مقدمہ بھی چلایا اور آخرکار اس کو جنونی قرار دے کر بری کردیا گیا۔ اس موقعہ پر مسجد کا کافی حصہ جل جانے کے علاوہ کئی نوادرات بھی شدید متاثر ہوئے جن میں وہ منبر بھی شامل تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بطورِ خاص اس مسجد میں رکھوایا تھا۔ اس وقت بھی یہودی حکومت نے اس ساز وسامان کی از سرنو اصلاح کرانے کا دعویٰ کیا اور اُردن کے ہاشمی خاندان سے ملنے والا ایسا ہی ایک منبر دوبارہ نصب بھی کرایا۔ ان اقدامات سے پتہ چلتا ہے کہ اسرائیلی حکومت اپنی تمام تر انتہاپسندی اور تعصب کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ اس مسجد پر وہ من مانے تصرف کی مجاز ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کا انہدام تحریکِ صہیونیت کا مرکزی نکتہ ہے لیکن اسرائیلی حکومت کو باضابطہ طور پر اس پر اپنا حق جمانے کی آج تک جرات نہ ہوسکی، اس مسجد پر مسلمانوں کے استحقاق کی وجہ تاریخی طور پر یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے اس مقام پر مسجد کو تعمیر کیا تھا تو اس وقت یہ جگہ ویران تھی، حضرت عمرؓ نے خود یہاں سے کوڑا کرکٹ صاف کرکے اس مسجد کو قائم کیا تھا۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ جیسا عادل حکمران کسی اور قوم کی عبادت گاہ پر اسلامی مرکز تعمیر کرکے کسی دوسری قوم کا مذہبی حق غصب کریں گے۔ بعض روایات میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس میں آئے تو یہاں موجود عیسائیوں کے گرجاؤں میں بھی آپ کو جانے کا موقع ملا، اور وہاں آپ سے نماز ادا کرنے کو کہا گیا تو محض اس بنا پر آپ نے وہاں نماز نہیں پڑھی کہ آپ کے اس فعل کو مبارک سمجھ کر بعد میں آنے والے مسلمان اس جگہ پر مسجد تعمیر کرنے کا خیال دل میں نہ لے آئیں۔ بعدازاں مسلمانوں نے چودہ صدیوں میں مسجدِ اقصیٰ کی کئی بار اصلاح اور تعمیر کی اور ہمیشہ اس مرکز کو بھرپور تقدس فراہم کیا۔

علاوہ ازیں تحریکِ صہیونیت جس ہیکل کی تعمیر کی دعویدار ہے، ۳۹ برس کی مسلسل کوششوں

© rasailojaraid.com

اور کھدائی کے باوجود اس سرزمین میں اس کے آثار بھی کہیں دریافت نہیں کیے جا سکے۔ اس بنا پر بھی یہودیوں کو سرکاری طور پر یہ اس مسجد پر اپنا حق جمانے کی جرات نہیں ہوتی۔

لیکن جہاں یہ حقیقت ہے کہ مسجدِ اقصیٰ پر اہل کتاب کا کوئی گروہ اپنا دعویٰ کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا، وہاں عملاً صہیونی تحریک کے پیدا کردہ جنون کے زیر اثر اسرائیل کے قیام کے دن سے یہ مسجد یہودیوں کی شر انگیزی کا نشانہ ہے۔ جب ۱۹۶۷ء میں ابھی بیت المقدس پر اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ نہیں ہوا تھا، اس سے پہلے ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد ہی اس مسجد پر گولہ باری کا آغاز ہوگیا، جس کے نتیجے میں پہنچنے والے نقصان کے مداوا کے لئے ۱۹۵۸ء میں مسلم ممالک کے مشترکہ چندے سے مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا گیا۔ یاد رہے کہ ابھی اس سے چند برس قبل ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۲ء کے دوران مسجد کی اصلاح وتعمیر کا کام برطانوی استعمار کے زیر نگرانی مکمل کیا گیا تھا۔ بعدازاں ۲۷ جون ۱۹۶۷ء کو بیت المقدس کو جب قانونی طور پر اسرائیلی حکومت نے اپنے تسلط میں لے لیا تو اس کے بعد سے یہودیوں کی شر انگیزیوں میں کئی گنا اضافہ ہوگیا اور انہوں نے اس سے اگلے مہینے جولائی میں ہی مسجد سے ملحقہ عمارتوں کو مسمار کرنا شروع کردیا۔

مسجدِ اقصیٰ کا احاطہ ۴۴۰۰ مربع میٹر پر پھیلا ہوا ہے جس میں قبہ صخرہ، قبہ سلسلہ، قبہ موسیٰ، جامع نساء، جامع عمر، مصلی مروانی، سبیلیں، کنویں، درسی چبوترے، وضوخانہ اور اسلامی میوزیم وغیرہ شامل ہیں۔ اس احاطے میں داخل ہونے کا مرکزی راستہ احاطے کی جنوب مغربی دیوار میں واقع ہے جسے باب المغاربہ کہتے ہیں۔ یوں تو اس احاطے میں داخل ہونے کے اور بھی کئی دروازے ہیں جن کی تعداد ۱۱ ہے، لیکن یہ دروازہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ احاطے میں موجود مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا اصل دروازہ یہی ہے۔ اس دروازے میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ اسلامی میوزیم ہے، اور سامنے مسجدِ اقصیٰ ہے جس کے دائیں پہلو میں خواتین کے لئے جائے نماز ہے اور بائیں پہلو میں وہ ہال ہے جس کو جامع عمر کہا جاتا ہے۔ اس مرکزی مسجد سے قدرے ہٹ کر احاطے کے دوسرے نصف میں قبہ صخرہ موجود ہے۔ یہ وہی سنہرا گنبد ہے جسے میڈیا میں عموماً مسجد اقصیٰ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جبکہ درحقیقت ایسا نہیں۔ اس گنبد کے جنوبی سمت ایسی ہی ایک چھوٹی عمارت بھی ہے جو قبہ موسیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کا

© rasailojaraid.com

مرکزی دروازہ جو اس احاطے کے جنوب مغرب میں واقع ہے، کے ساتھ ہی وہ دیوار بھی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں معراج کی رات نبی کریم ﷺ نے براق کو باندھا یا کھڑا کیا تھا۔ اس تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد ایک تو ان اُمور کی اصلاح ہے جو میڈیا پر پیش کئے جاتے ہیں، دوسرے اس زمینی حقیقت کو جاننے کے بعد ہی مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں حالیہ اقدامات کی سنگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چونکہ مسجدِ اقصیٰ کا یہ مرکزی دروازہ ہے اور اس کے ساتھ دیوارِ براق بھی واقع ہے، جسے یہودی دیوارِ گریہ کا نام دیتے ہیں، اسلئے اس سارے احاطے میں اس جنوب مغربی حصہ کے اہمیت کئی لحاظ سے کافی بڑھ جاتی ہے اور حالیہ جارحیت کی طرح پہلے بھی برسہا برس مسجد کا یہی حصہ یہودی شورشوں اور سازشوں کا مرکز رہا ہے۔☆

اس دروازہ کے باہر واقع رہائشی علاقہ کا نام حی المغاربہ (مراکشی محلّہ) ہے۔ جون ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر یہودی تسلط کے فوراً بعد جولائی میں جن عمارتوں کومسمار کیا گیا، وہ یہی مراکشی محلّہ تھا۔ تاریخی طور پر یہ علاقہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کوعیسائیوں سے واگزار کرانے کے بعد مراکشیوں کی خدمات کے اعتراف میں ان کو عطا کیا تھا۔ جب جولائی ۱۹۶۷ء میں اس علاقے کو مسمار کیا گیا تو اس کے نتیجے میں تین ہزار گھرانے بے گھر ہوگئے اور اس میں موجود چار مسجدیں اور ایک مدرسہ افضلیہ⊙ بھی ڈھا دیا گیا۔ اسی علاقے میں مسجدِ اقصیٰ کے زائرین اور حصولِ علم کے لئے آنے والے طلبہ واساتذہ سکونت پذیر ہوتے تھے۔ اب اس مقام پر گذشتہ ۳۹ برسوں میں یہودیوں نے جدید عمارتیں تعمیر کرلی ہیں۔

بیت المقدس پر تسلط کے پہلے ماہ میں ہی ایسی جارحانہ کاروائیوں کا نوٹس لیتے ہوئے یہ مسئلہ اقوامِ متحدہ میں اٹھایا گیا اور اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل نے فوری طور پر ۴؍جولائی ۱۹۶۷ء کو یہ قرار داد منظور کی کہ بیت المقدس کی سابقہ حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ مسجد اقصیٰ میں موجود تمام آثار کے متولی مسلمان ہی ہیں، کوئی

☆ مسجد اقصیٰ میں ان مقامات کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی واضح تصاویر کی محتاج ہے۔ چونکہ مسجد اقصیٰ کی مستند تصاویر نایاب ہیں، اس لئے محدث کی ویب سائٹ پر اس کی کئی تصاویر جن میں سے اہم ترین کو ۲۰۰۵ء میں فلسطین کی وزارتِ مذہبی اُمور نے شائع کیا ہے، اَپ لوڈ کردیا گیا ہے۔ شائقین ویب سائٹ پر زیر نظر مضمون کے آغاز میں اُنہیں بھی ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

⊙ اس علاقے میں یہ مدرسہ چھٹی صدی ہجری میں مملوک سلطان الملک الافضل نے تعمیر کروایا تھا۔

© rasailojaraid.com

اور قوم اس میں شریک و سہیم نہیں۔ اسلامی تصورات سے قطع نظر مسلمانوں کے اس مقدس مقام پر تاریخی استحقاق کی یہ تیسری بنیاد ہے کہ عالمی رائے عامہ بھی اسے تسلیم کرتی ہے۔

چنانچہ صہیونی تحریک نے جب یہ جان لیا کہ وہ نہ تو خود اپنے اساسی نظریہ کو برملا کہنے کی قوت رکھتے ہیں اور عالمی رائے عامہ بھی اس سلسلے میں اُنہیں کوئی قانونی جواز فراہم نہیں کررہی تو اُنہوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے اپنے ہدف کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ چنانچہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی صریحاً بھی مخالفت کی گئی اور درپردہ بھی، مثلاً بیسیوں مرتبہ مختلف بہانوں سے مسجد اقصیٰ کے نیچے کھدائی کروا کر سرنگیں نکالی گئیں حتیٰ کہ ۲۸؍اگست ۱۹۸۱ء کو یہ انکشاف ہوا کہ یہ سرنگیں مسجد کے صحن تک پہنچ چکی ہیں جو ۱۹۸۸ء میں مزید آگے بڑھتے ہوئے قبہ صخرہ کے نیچے تک جا پہنچیں۔ ۱۹۹۶ء میں ایریل شیرون نے باقاعدہ مسجد اقصیٰ کے نیچے ایک سرنگ کا افتتاح کیا جس کی وضاحت کرتے ہوئے عبرانی روزنامہ یدیعوت احرنوت نے اپنی ۲۱؍مارچ ۱۹۹۷ء کی اشاعت میں برملا کہا کہ یہودی ۲ ہزار برس قدیم اس راستے کی تلاش میں ہیں جو شہر کے اندرونی حصہ سے ہیکل سلیمانی کی طرف جاتا ہے۔ بڑے پیمانے پر کھودی جانے والی ان سرنگوں کا مقصد دراصل یہ ہے کہ کسی طرح یہ مسجد از خود منہدم ہوجائے اور اسے قدرتی آفت قرار دے دیا جائے۔

مزید برآں مسجد سے ملحقہ مقبرہ میں ۱۷۴ قبروں کو مسمار کرکے اسے سکیٹر دیا گیا، دائرہ اوقافِ اسلامیہ کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۸ء تک ۳۵۷۰ کے لگ بھگ اسلامی آثار کو منہدم کردیا گیا۔ یہ تو وہ اقدامات ہیں جو اقوام متحدہ کی قراردادوں سے صریحاً متصادم ہیں، البتہ مسجد اقصیٰ کو براہِ راست نقصان پہنچانے کی وہ پھر بھی ہمت نہیں کرسکے لیکن اس کے لئے موزوں فضا کی تیاری میں اُنہوں نے کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی، مثلاً انتہاپسند تنظیموں اور ذرائع ابلاغ کو مسجد اقصیٰ کو مسمار کرنے کے نظریے کی کھلے عام ترویج کرنے کی اجازت اور ترغیب دینا، بیت المقدس میں کھلے عام گاڑیوں میں ایسے اعلانات اور نغمے؍ترانے نشر کرنا جن میں مسجدِ اقصیٰ کے خلاف عوامی غیض وغضب کو بھڑکایا جائے۔ انہی اقدامات کا نتیجہ یہ ہے کہ ۱۱؍مئی ۱۹۸۰ء، ۲۵؍جولائی ۱۹۸۲ء، ۱۰؍اگست ۱۹۸۴ء اور ۱۰؍ستمبر ۱۹۹۸ء کی تاریخوں میں چار مرتبہ اس مسجد کو بموں اور دھماکہ خیز مواد سے مسمار کرنے کی کوششیں کی گئیں جبکہ مسجد کی بے

© rasailojaraid.com

حرمتی کے واقعات تو اَن گنت ہیں۔

مزعومہ ہیکل کی تعمیر کا جنون

فروری ۲۰۰۷ء میں مسجدِ اقصیٰ میں ہونے والی جارحیت یوں تو اس تمام کاروائی کا ایک تسلسل ہے جو کم وبیش ۳۹ برس سے کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے لیکن بعض پہلوؤں سے اب یہ کوششیں حتمی مرحلہ میں داخل ہوتی نظر آرہی ہیں۔صہیونیوں کی یہ خواہش ہے کہ بیت المقدس پر قبضہ کے چالیس سال پورے ہونے پر وہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا آغاز کردیں، یادر ہے کہ ۱۸ برس قبل ۱۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء کو وہ مسجد اقصیٰ کے ساتھ تین سو پانچ ٹن وزنی پتھر رکھ کر اس کا سنگِ بنیاد رکھ چکے ہیں۔ اور اس سے اگلے برس ۱۸/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو مسجد اقصیٰ کے اندر بھی اس ہیکل کی تعمیر کی کوشش کر چکے ہیں۔اب عوامی پیمانے پر ہیکل کی تعمیر کے لئے پھیلایا جانے والا جنون اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اس منصوبے کو مزید مؤخر کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ باخبر ذرائع کا کہنا ہے کہ اب یہودی علما نے ہیکل کی تعمیر کے آغاز کے لئے دن کا بھی تعین کر دیا ہے اور وہ دن ۱۴/مئی ۲۰۰۸ء کا ہے جب اسرائیل کے قیام کو ۶۰ برس پورے ہوجائیں گے۔☆

اس سلسلے میں فضا کو مزید سازگار بنانے کے لئے یہودی علما سے شرعی رائے (فتوے) لیے گئے ہیں،صہیونی تنظیموں نے ہیکل کے چھوٹے ماڈل تیار کرکے دنیا بھر کے یہودیوں میں تقسیم کردیے ہیں تاکہ اس اقدام پر اسرائیل کو مالی اور معنوی ہرطرح کی امداد اور تعاون حاصل ہوسکے، وہ کپڑا بھی سیا جاچکا ہے جو ہیکل سلیمانی کی مختلف عمارتوں پر چڑھایا جائے گا، ہیکل کے وسط میں لٹکانے کے لئے فانوس بھی تیار کیا جاچکا جس میں 'قادم بینوچز' نامی یہودی تاجر نے ۴۲ کلوگرام سونا عطیہ دیا ہے، اس یہودی قبیلہ کا تعین بھی کرلیا گیا ہے جو مزعومہ ہیکل کے انتظامی اُمور سنبھالے گا،قبیلہ کا نام 'لیفی' ہے۔ ہیکل کی حفاظت کے لئے گارڈز اور یہودی علما کا انتخاب بھی عمل میں آچکا ہے۔ ہیکل کے سلسلے میں حتمی اقدامات کے لئے ۳۰ کے قریب انتہاپسند یہودی تنظیموں نے جنوری ۲۰۰۷ء کے آخر میں اتحاد کرلیا ہے۔

حالیہ جارحیت

اس مہم میں تیزی اس وقت آئی جب ۲۴ جنوری ۲۰۰۷ء کو اسرائیل کی آثارِ قدیمہ اتھارٹی نے یہ دعویٰ کیا کہ مسجد اقصیٰ کے نیچے ہیکل سلیمانی کی وہ سڑک دریافت کرلی گئی ہے جو دیوارِ

© rasailojaraid.com

براق سے دیوارِ سلوان کی طرف جاتی ہے۔

ایک طرف صہیونیوں کے خود ساختہ دعووں اور یکطرفہ اقدامات کی یہ کیفیت ہے اور دوسری طرف مسجدِ اقصیٰ کے علاقے میں نہ صرف مسلمانوں کی آزادانہ آمد ورفت پر پابندی اور سرکاری اجازت کے بغیر مسجد اقصیٰ میں داخلہ بھی بند ہے بلکہ اس علاقے کی تصویر وغیرہ لینا بھی ممنوع

☆ یہاں ہیکل کی تعمیر کے بارے میں یہودی قوم کے شرعی موقف کا تذکرہ مناسب ہوگا، ان کے ہاں اس سلسلے میں دوموقف پائے جاتے ہیں: فقہی طور پر یہ بات تو تقریباً متفقہ ہے کہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کیا جائے کیونکہ تالمود میں یہاں قربانی وغیرہ کی تفصیلات اور احکام کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔البتہ اس ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی کیفیت اور وقت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

غالب فقہی رائے تو یہ ہے کہ اس کی تعمیر کے لئے مشیتِ الٰہی کے مطابق دورِ مسیح (مشیحانی) کا انتظار کیا جائے اور اس کے آنے تک تعمیر کو موقوف رکھا جائے ،بعض یہودی رہنماؤں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ انسانی ہاتھوں سے اس کی تعمیر ممکن ہی نہیں، جبکہ بعض کا عقیدہ ہے کہ یہ مکمل صورت میں آسمان سے نازل ہوگا۔ فقہاے یہود کا یہ بھی کہنا ہے کہ نہ تو یہودی اس وقت پاک ہیں کیونکہ وہ قبروں اور مردوں کو چھونے کی وجہ سے طاہر نہیں رہے اور ان کو یہ طہارت اس سرخ بچھڑے کے خون سے حاصل ہوگی جو ابھی تک آسمان سے نازل نہیں ہوا اور نہ ہی یہودی عقیدے کے مطابق وہ جگہ (یعنی جبل موریا یا جبل بیت المقدس) بھی پاک ہے کیونکہ وہاں مسجد اقصیٰ اور ۱۰۰ کے قریب مسلم آثار موجود ہیں۔اس لئے ان حالات میں یہودیوں کا اس مقام پر جا کر ہیکل کو تعمیر کرنا فقہی اعتبار سے غلط ہوگا۔مزید برآں جبل موریا پر قدس الاقداس نامی متبرک ترین مقام پر یہودی عقیدے کے مطابق کسی طاہر یہودی کے قدم پڑنا بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ ایک خاص قربانی نہ دے لے، اب عین قدس الاقداس والے مقام کا تعین اور اس قربانی کا امکان اس وقت تک موقوف ہے جب تک مشیتِ الٰہی کے مطابق یہودیوں کا مسیح (ماشیح) منتظر واپس نہ لوٹ آئے۔

البتہ ایک چھوٹی اقلیت کی رائے یہ ہے کہ مسیح کے آنے سے قبل ہیکل کی تعمیر کرنا ضروری ہے، اور اس علاقے میں داخلے کے لئے کسی یہودی کو کسی خصوصی پاکیزگی کی ضرورت نہیں۔ گو کہ یہ رائے بہت شاذ ہے لیکن چونکہ یہ دراصل یہودیوں میں صہیونیوں کی رائے ہے، اس بنا پر اُنہوں نے ابلاغی ہتھکنڈوں سے اس رائے کو ملت یہود پر غالب کر رکھا ہے۔ یہود کے اس داخلی فقہی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر صہیونیوں نے قدس الاقداس کا از خود تعین بھی کر دیا ہے۔ موجودہ صورتحال کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے بہتر ہوگا کہ یہودی نظریات کو دوقسموں میں تقسیم کر کے سمجھا جائے: صہیونی اور غیر صہیونی یہودی۔ جہاں تک غیر صہیونیوں کا تعلق ہے تو ان کے ایک گروہ کا خیال تو یہ ہے کہ ہیکل سلیمانی وغیرہ میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، نہ تو وہ بیت المقدس میں پہنچنے کو اہمیت

© fasailojarafd.com

ہے۔ اقصیٰ فاؤنڈیشن اور معتبر مسلم ذرائع کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے مسجد اقصیٰ کے جنوب مغربی دیوار کے نیچے واقع دوحجروں کو شہید کردیا ہے جبکہ اسرائیلی میڈیا مثلاً عبرانی روزنامہ

دیتے ہیں اور نہ ہی وہاں کسی ہیکل کی تعمیر کو، اُنہوں نے ہیکل کے نظریے کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے اپنی تمام دعاؤں اور مذہبی تصورات وغیرہ میں بھی ہیکل کا لفظ باقی نہیں رہنے دیا، بالخصوص ۱۸۱۸ء سے وہ اپنی تمام عبادت گاہوں کے لئے انگریزی لفظ ٹیمپل (معبد) کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہیکل کبھی بھی نہیں بنے گا۔ اور جہاں بھی معبد بن جائے، اس سے مراد ہیکل ہی ہے۔

غیرصہیونیوں کا دوسرا (روایت پسند) گروہ اس کے برعکس ہیکل کی تعمیر کا منتظر ہے اوراس کے لئے دعائیں بھی کرتا ہے، یہ لوگ اپنے معبد کو یونانی لفظ 'سینی گاگ' سے تعبیر کرتے ہیں اور ہیکل کے لفظ کو ہیکل سلیمانی کیلئے ہی مخصوص قرار دیتے ہیں، لیکن ان کا موقف یہ ہے کہ ہیکل کی تعمیر کا مسئلہ مسیح کی دوبارہ آمد سے ہی مشروط ہے۔

جہاں تک صہیونی یہودیوں کا تعلق ہے تو ان کے لادین گروہ کے مطابق ہیکل وغیرہ کی تعمیر کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے، محض یہودیوں کیلئے بیت المقدس میں مستقل وطن کا قیام ایک قومی ضرورت ہے۔ یہ لوگ نہ تو کسی قربانی وغیرہ کے تصور پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی ہیکل کی تعمیر وغیرہ پر۔ ان کا خیال ہے کہ صہیونیوں نے بلاوجہ ہیکل کی تعمیر کا مسئلہ کھڑا کیا ہوا ہے، اسرائیل میں اس نوعیت کے صہیونیوں کی بھی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

یہودیوں کا چوتھا گروہ یعنی متدین صہیونی ہی وہ واحد فرقہ ہے جو ہر قیمت پر ہیکل سلیمانی کو تعمیر کرنے پر تلا ہوا ہے، ان کے نزدیک ہیکل کی فوری تعمیر ہی اہم ترین مسئلہ ہے۔ یہی لوگ ہیں جو حیلوں بہانوں سے مسجد اقصیٰ اور آثارِ اسلامیہ کو ڈھانے کے لئے ہر کوشش بروئے کار لارہے ہیں، انہی انتہاپسندوں نے بموں اور دھماکہ خیز مواد سے مسجد اقصیٰ کو منہدم کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ اس سلسلے میں اس فرقے کی ایک نمائندہ تنظیم 'اُمناء جبل ہیکل' (محافظانِ جبل ہیکل) کا نام لیا جاسکتا ہے، امریکی کروڑ پتی یہودی ٹری رائزن ہوور اس تنظیم کا اہم سپورٹر ہے۔ اس فرقے کا دعویٰ ہے کہ مسجد اقصیٰ کے تمام تر احاطے پر یہود کا بلاشرکت غیرے حق ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سابقہ مراکشی محلے میں یہودیوں کے دینی مدارس بھی قائم کررکھے ہیں اور یہاں وہ لوگوں کو قربانی اور ہیکل میں یہودی عبادتوں کی تربیت اور عسکری ٹریننگ دیتے ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ اس فرقے کی بعض کتب اور پروپیگنڈے کا اثر یہودی عوام میں روز بروز پھیلتا جارہا ہے اور اُنہیں یہود کے دیگر فرقوں کے بالمقابل زیادہ مقبولیت مل رہی ہے جس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ معمولی انتہاپسند اقلیت، یہودی اکثریت کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے میں کسی وقت بھی کامیاب ہوسکتی ہے۔ اس یہودی گروہ نے عیسائیوں کو بھی اپنے مزعومہ ہدف پر اس حد تک متاثر کرلیا ہے کہ ۱۹۹۰ء میں اسرائیلی وزارتِ مذہبی اُمور کے زیرنگرانی بیت المقدس میں منعقد ہونے والی عالمی عیسائی کانفرنس میں عیسائیوں نے بھی اس نظریہ کا برملا اعتراف کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ نزول ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے مشروط ہے، اس لئے اُنہیں اس یہودی فرقے کی ہر طرح مدد کرنا چاہئے۔ (یہ تفصیلات ۱۶ جلدوں پر مشتمل اس عربی 'انسائیکلوپیڈیا برائے یہود، یہودیت اور صہیونیت' سے ماخوذ ہیں جس نے ۱۹۹۹ء میں مصر میں پہلا انعام حاصل کیا ہے۔)

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

یدیعوت احرنوت کا دعویٰ ہے کہ یہ حجرے اور دیوارِ براق سے ملحقہ مسجد تو تین برس قبل شہید کی جا چکی ہے اور اس کی تائید میں اسرائیلی ماہر آثار قدیمہ کی یہ رپورٹ پیش کر دی جاتی ہے کہ تین برس قبل مراکشی دروازے کے پاس ایک مسجد کے آثار ملے تھے جسے اعلان کئے بغیر مسمار کر دیا گیا۔ اس کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ جب میڈیا میں چند ماہ قبل یہ خبر شائع ہوئی کہ سابق اسرائیلی صدر موشے کستاف نے ایک یہودی معبد کا افتتاح کیا ہے تو اُس وقت فلسطینی مسلمانوں کو علم ہوا کہ مسجد اقصیٰ سے بالکل ملحق اس مسجد کی جگہ پر ایک یہودی معبد تعمیر کر دیا گیا ہے جس میں مرد وزن کیلئے دو علیحدہ ہال بنائے گئے ہیں۔

مزید برآں ۱۰ جنوری ۲۰۰۷ء کو انتہاپسند یہودی تنظیم عطیرت کوھنیم نے بیت المقدس کی بلدیہ سے مسجد اقصیٰ کے ایک اور دروازہ 'باب واد' (جو قبہ صخرہ کے بالمقابل ہے) سے متصلاً باہر قطانین بازار میں ۲۰۰ مربع فٹ پر ایک اور یہودی معبد خانہ بنانے کا این او سی بھی حاصل کیا ہے جب کہ اس مقام پر بھی کئی اسلامی یادگاریں موجود تھیں۔

حالیہ اقدامات کا تعلق دراصل اس منصوبہ سے ہے جس کی رو سے مسجد اقصیٰ کو مسلمانوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ سابق اسرائیلی وزیراعظم اریل شیرون نے ۱۱/اپریل ۲۰۰۵ء کو واشنگٹن میں اس منصوبہ کی دستاویزات اور تصاویر امریکی حکومت کے سامنے پیش کیں، امریکی حکومت نے اس منصوبہ کو سراہا اور اپنا کردار ادا کرنے کی حامی بھری۔ اس منصوبہ کی رو سے مسجد اقصیٰ کے جنوبی اور مغربی حصہ کو (جہاں درحقیقت مسجد اقصیٰ واقع ہے) شہید کرکے وہاں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کرنا ہے۔

اس منصوبہ کو سامنے رکھتے ہوئے حالیہ جارحیت کو تین مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے: مسجد اقصیٰ کے جنوب مغرب میں واقع مغاربہ سڑک کو منہدم کرنا، اس سڑک کی جگہ ایک پل تعمیر کرنا اور تیسرے مرحلے میں دیوارِ گریہ کی توسیع کرتے ہوئے جنوبی دیوار تک کے علاقہ کو اپنے قبضے میں کرنا اور وہاں دیوارِ براق (گریہ) کے ساتھ ایک بڑا یہودی معبد تعمیر کرنا۔

یاد رہے کہ مغاربہ محلّہ کی طرح مغاربہ سڑک کو بھی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے تعمیر کرایا تھا اور فلسطینیوں کے لئے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کا فی الوقت واحد راستہ یہی ہے۔ یہودیوں نے اس سڑک کے نیچے کھدائی کرکے اس کو کمزور کر دیا جس کے نتیجے میں ۱۵/فروری

۲۰۰۴ء کو سڑک کا کچھ حصہ بارشوں کے باعث گر گیا۔ اسرائیلی حکومت نے اس سڑک کو خود تعمیر کرنے یا مسلمانوں کو تعمیر کی اجازت دینے کی بجائے ۱۳/اگست ۲۰۰۶ء کو اسے مسمار کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب ۶ فروری ۲۰۰۷ء کو بلدیہ کے کئی بلڈوزروں نے اس سڑک اور اس سے ملحقہ رکاوٹوں کو مسمار کرنا شروع کیا تو ہزاروں فلسطینی مسلمان اس کو بچانے کے لئے جمع ہوگئے۔ اور ۹ فروری کو جمعہ کے بعد مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا جس کے نتیجے میں بلدیہ کو کھدائی روکنا پڑی۔ ۱۱/فروری کو اسرائیلی کابینہ نے اپنے اجلاس میں یہ قرار دیا کہ اس کھدائی سے مسجد اقصیٰ کو کوئی خطرہ نہیں، اس کا مقصد تو دراصل ایک پل تعمیر کرنا ہے جس سے مسلمانوں کے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کا راستہ فراخ ہوجائے گا۔

لیکن اسرائیلی حکومت کی اس توجیہ کو باخبر فلسطینی تنظیمیں تسلیم کرنے سے انکاری ہیں، کیونکہ ماضی میں اسرائیل نے مسجد میں مسلمان زائرین کے داخلے کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ مسجد کو پہنچنے والے نقصان کی اصلاح کی اجازت تک نہیں دی جاتی اور سامان مرمت لے جانے سے روک دیا جاتا ہے۔ یہودیوں کے اس مسلسل رویے کی بنا پر مسلمانوں کے تاریخی راستہ (مغاربہ سڑک) کو مسمار کرکے اس کے اوپر سے بڑا پل بنانے کے بارے میں مسلمانوں میں گہرے شبہات پائے جاتے ہیں جنہیں کئی پہلوؤں سے تقویت بھی ملتی ہے اور اس کی تصدیق بعض شواہد اور خفیہ تصاویر سے بھی ہوتی ہے، یہ مختلف اندیشے حسب ِذیل ہیں:

❶ دراصل یہودی اس طرح دیوارِ براق کو اپنے تصرف میں لاکر اور جنوبی دیوار کو مغربی دیوار سے ملاتے ہوئے وہاں ایک یہودی معبد (سینی گاگ) تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ آثار قدیمہ کمیٹی کے چیئرمین میئر بن دوف نے صہیونی پارلیمنٹ کی داخلی کمیٹی کے اجلاس میں اس امر کا خود تذکرہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کا راستہ تو معمولی اخراجات اور انتظام کے ذریعے تعمیر ہوسکتا ہے، اس قدر بڑے منصوبے کی وجہ یہ ہے کہ باب المغاربہ سے متصل تمام علاقے میں کھدائی کرکے مسجد اقصیٰ کو نقصان پہنچایا جائے۔ ان کے ہمراہ مزید ۳۶ دیگر ماہرین آثار قدیمہ نے بھی بلدیہ کے اس اقدام کی مخالفت کی ہے اور حکومت سے یہ کام فوری طور پر بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ یہودیوں کے نزدیک مسجد اقصیٰ میں اس وقت سب سے متبرک مقام دیوار براق (گریہ) ہے، جسے وہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کی واحد

یادگار قرار دیتے ہیں۔ دیوار کے بارے میں مزید حقائق آگے آرہے ہیں۔

۲ سابق اسرائیلی وزیراعظم بنیامین مزار کی بیٹی ایلات مزار جو خود آثارِ قدیمہ کی ماہر ہے، نے انکشاف کیا ہے کہ سڑک کو گرانے اور مسجد کے مغربی سمت میں کھدائی کرنے کا مقصد ہیکل سلیمانی کے اہم تاریخی دروازے بار کلیز کو تعمیر کرنا ہے۔ اپنے عقیدے کے مطابق یہودی پہلی مرتبہ ہیکل میں اسی دروازے سے داخل ہوں گے۔

۳ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ پل کے ذریعے ایک کشادہ راستہ تعمیر کرنے کا مقصد دراصل مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کے کسی بڑے اقدام کو ممکن بنانا ہے تاکہ بڑی تعداد میں وہ بآسانی وہاں داخل ہوسکیں اور بعد ازاں اس راستے کو مجوزہ ہیکل سلیمانی کے لئے استعمال کیا جائے۔ تحریکِ اسلامی، فلسطین کے سربراہ شیخ زائد صلاح الدین کے بقول حالیہ کاروائیوں کا مقصد مغربی دیوار کے نیچے موجود مٹی کے ٹیلے 'تل ترابیہ' کو منہدم کرنا ہے، یہ ٹیلہ زمین سے ۲۰ میٹر بلند ہے اور اسے اُموی دور میں تعمیر کیا گیا تھا۔ان کا کہنا ہے کہ ٹیلے کو منہدم کرنے کا مقصد یہودیوں کا مسجد میں براہِ راست داخلہ کو ممکن بنانا ہے اور اس ٹیلے کے انہدام کے ساتھ دیوار براق کا تعلق مسجد سے منقطع ہوکر یہودیوں کے نوتعمیر شدہ محلے سے جاملتا ہے۔صہیونی تنظیم عیر عامیم کی رپورٹ کے مطابق اس نئے پل کی تعمیر سے اسرائیلی سیکورٹی فورسز کے ۳۰۰ اہل کار بیک وقت مسجد اقصیٰ میں داخل ہوکر فوجی کاروائی کرسکیں گے۔ یاد رہے کہ نئے پل کی لمبائی ۲۰۰ میٹر ہے اور یہ آٹھ ستونوں پر کھڑا کیا جائے گا۔ اس قدر مضبوط پل کی تعمیر کا مقصد محض انسانوں کے عبور کرنے کے بجائے فوجی ساز وسامان، بڑے ٹرکوں اور بلڈوزروں کے گزرنے کا راستہ بنانا ہے۔

۴ مسلمانوں کی مسجد اقصیٰ تک رسائی کا آسان طریقہ یہ تھا کہ سڑک کی تعمیر کردی جاتی یا ضروری حد تک پل تعمیر کردیا جاتا، جس کی لاگت بھی معمولی ہوتی لیکن ایک بڑے پل کے نام پر لمبی چوڑی کھدائی کرکے بالکل قریب واقع مسجد اقصیٰ کی عمارت کو زمین سے مزید کھوکھلا کرنا مقصود ہے۔ دوسری طرف اس پل کا بوجھ اس قدر زیادہ ہے کہ جس مقام پر اس کا بوجھ ڈالا جارہا ہے، مسجدِ اقصیٰ کا وہ حصہ اتنا بوجھ سہنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس کے نتیجے میں بھی عمارت کے جلدی منہدم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

مسلمانوں کے شدید احتجاج کے بعد پہلے پہل بیت المقدس کی بلدیہ نے کھدائی کا کام

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

روکنے کا اعلان کیا اور آثارِ قدیمہ کے کام کو جاری رکھنے کا کہا تھا لیکن آخر کار کھدائی روک دینے کا اعلان بھی واپس لے لیا۔ تحریک اسلامی، فلسطین کے نائب سربراہ شیخ کمال الخطیب کا کہنا ہے کہ در پردہ کھدائی کا کام بھی تک جاری ہے، ٹریکٹروں کی بجائے چھوٹی مشینوں اور اوزاروں کے ساتھ کھدائی کی جارہی ہے، عالمی میڈیا سے اس امر کو چھپانے کے لئے وہاں موجود خیموں کے اندر سے کھودا جارہا اور مٹی کو پلاسٹک بیگوں میں ڈال کر دور پھینکا جارہا ہے۔ مسجد کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے لئے کیمیکل بھی بہایا جارہا ہے تاکہ اسکی دیواریں شدید کمزور ہو جائیں اقصیٰ فاؤنڈیشن کا کہنا ہے کہ کھدائی کی وجہ سے جنوبی دیوار میں کئی دراڑیں پڑ چکی ہیں اور اسرائیلی فوجیوں نے وہاں لوہے کی باڑ لگا دی ہے اور فلسطینی شہریوں کو وہاں جانے بھی نہیں دیا جارہا۔

دیوارِ براق

یہود کا دعویٰ ہے کہ یہ دیوار اس ہیکل دوم (ہیرود) کی باقی ماندہ آخری یادگار ہے جسے دو ہزار برس قبل ۷۰ء میں شاہ ٹیٹوس نے مسمار کردیا تھا۔ اس اعتبار سے یہ دیوارِ گریہ Wailing Wall ان کے نزدیک موجودہ آثار میں واحد شے ہے جو مقدس ترین حیثیت رکھتی ہے۔ جبکہ مسلمان اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے، اور حالات وواقعات سے بھی اس کی نفی ہی ہوتی ہے۔

صہیونیت نے یوں تو باقاعدہ ایک تحریک کے طور پر ۱۸۹۷ء میں جنم لیا، مگر اس تحریک کے افکار اس سے ایک دو صدی قبل یہود کے ہاں متعارف ہونا شروع ہو چکے تھے، عین انہی سالوں میں یہود نے اس دیوار سے تقدس کو منسوب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سولہویں صدی سے قبل یہود کے ہاں اس دیوار کی زیارت کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ 'انسائیکلو پیڈیا یہود اور یہودیت' میں اس دیوار پر لکھے جانے والا مقالے میں درج ہے کہ

والواقع أن كل المصادر التى تتحدث عن يهود القدس حتى القرن السادس عشر تلاحظ ارتباطهم بموقع الهيكل وحسب ولا توجد أية إشارة محددة إلى الحائط الغربي . كما أن الكاتب اليهودي نحمانيدس (القرن الثالث عشر) لم يذكر الحائط الغربي في وصفه التفصيلي لموقع الهيكل عام ١٢٦٧م. ولم يأت له ذكر أيضا في المصادر اليهودية التي تتضمن وصفا للقدس حتى القرن الخامس عشر ويبدوا

© rasailojaraid.com

أن حائط المبکی قد أصبح محل قداسة خاصة ابتداء من ۱۵۲۰م في أعقاب الفتح العثماني

''امر واقعہ یہ ہے کہ ایسے تمام مصادر ومراجع جن سے ۱۶ویں صدی عیسوی سے قبل یہود کے مقام ہیکل سے کسی تعلق کا علم ہوتا ہے، ان میں حائط غربی (دیوارِ گریہ) کے بارے میں کوئی متعین اشارہ بھی نہیں ملتا۔ جیسا کہ ۱۳ویں صدی کے یہودی محقق نحمانیدس نے ۱۲۶۷ء میں ہیکل کے مقام کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے اس دیوار کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۵ویں صدی عیسوی تک یہود کے وہ مراجع جن سے بیت المقدس کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے، ان میں اس دیوار کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ یوں لگتا ہے کہ دیوارِ گریہ کے تقدس کی ابتدا ۱۵۲۰ء میں خلافتِ عثمانیہ کے قیام کے بعد ہوئی۔''

آگے لکھتے ہیں کہ دراصل اس موقع پر یہود کا ایک انتہا پسند قبیلہ بیت المقدس میں فروکش ہوا تھا جو حلولی عقائد کا حامل تھا، حلولی نظریہ عموماً بعض مقدس اشیا اور مقامات میں اپنا مظہر تلاش کرتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ مسلمانوں میں جس طرح حجر اسود اور کعبہ کو خاص تقدس حاصل ہے، اسی کو سامنے رکھتے ہوئے اس دیوار کو بھی مصنوعی مقامِ تقدس عطا کردیا گیا ہو۔ دیوارِ براق پر یہ ایمان ۱۹ویں صدی میں پختہ ہونا شروع ہوا اور صہیونی ذہنیت میں اس کا تقدس آہستہ آہستہ راسخ ہوا۔ یاد رہے کہ اس دیوار کا تقدس بھی یہودیوں کے ہاں متفقہ امر نہیں ہے بلکہ آج بھی اس دیوار سے تھوڑے فاصلے پر قیام پذیر ناطوری جماعت کا سربراہ زائرین کو اس کی زیارت سے روکتا رہتا اور برملا کہتا ہے کہ یہ صہیونی حیلوں میں سے محض ایک فریب ہے، اس سے زیادہ اس کو مقدس قرار دینے کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس مقالہ میں پھر ان کوششوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ آخری دو صدیوں میں بیسیوں بار یہود نے انفرادی اور اجتماعی طور پر مسلمانوں سے اس دیوار کو خریدنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔

مایوس ہوکر صہیونیوں نے دھونس اور دھاندلی سے اپنا مقصد پورا کرنے کا راستہ اپنایا اور فلسطین پر انگریز کے دورِ استعمار میں اس دیوار پر اپنا حق جمانا شروع کیا اور مسلمانوں سے تقاضا کیا کہ وہ اس سے دستبردار ہوجائیں۔ اپنے انگریز سرپرستوں کی حکومت میں اس اختلاف نے اتنی شدت اختیار کرلی کہ یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے ۱۹۲۹ء میں برطانیہ کو باقاعدہ تحقیقاتی کمیشن Shaw Commission قائم کرنا پڑا جہاں دونوں فریقوں کے بیانات لئے گئے۔

© rasailojaraid.com

مسلمانوں نے اپنے حق کے حصول کے لئے ثورة البراق کے نام سے ایک تحریک شروع کی ، یہی مسئلہ اس وقت کی اقوامِ متحدہ 'لیگ آف نیشنز' میں بھی زیر بحث آیا۔ یہودی چونکہ اپنے دعوے کا کوئی دستاویزی ثبوت مہیا نہیں کر سکے، اسلئے دسمبر ۱۹۳۰ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ دیوار یہود کی بجائے مسلمانوں کی ملکیت ہے اور مسجد اقصیٰ کا حصہ ہے، یہود کا اس پر کوئی حق نہیں۔ فلسطین پر مسلط برطانوی سامراج نے فریقین کا موقف سننے کے بعد یہ فیصلہ سنایا:

وقد قررت اللجنة أن المسلمين هم المالك الوحيد للحائط وللمناطق المجاورة وإن اليهود يمكنهم الوصول إلى الحائط للأغراض الدينية

''برطانوی کمیشن نے قرار دیا کہ مسلمان ہی اس دیوار اور اس سے ملحقہ علاقوں کے اکیلے مالک ہیں، اور یہود کو یہاں صرف اپنی دینی اغراض پوری کرنے کیلئے آنے کی اجازت ہے۔''

اُنہوں نے یہ بھی قرار دیا کہ یہود یہاں اختلاف پیدا کرنے والی عبادتیں کرنے کے مجاز نہیں اور اپنی عبادت کے لئے کسی ضروری چیز کو وہاں رکھنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ وہ جگہ یہود کی ملکیت میں آگئی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ اس دیوار کے بارے میں بھی یہود کا موقف متفقہ نہیں بلکہ صہیونی یہودیوں کے دونوں گروہوں میں اس کے حوالے سے کئی ایک اختلافات پائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ لادین صہیونی اس دیوار کو عبرانی میں 'کوٹیل' کا نام دیتے ہیں جس کا مطلب نائٹ ڈانس کلب ہے، تصور کے اسی اختلاف کا نتیجہ ہے کہ اب آخری چند سالوں میں یہ مقام اباحیت، آزادروی اور فحاشی کا مرکز بنتا جارہا ہے۔

اس تمام حقائق کے باوجود صہیونی اس امر کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے ہیکل سلیمانی کا بقیہ ماندہ حصہ قرار دینے کی اپنی سی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اپنے زیر اثر میڈیا میں انہوں نے اس دیوار کو دیوارِ براق کی بجائے دیوارِ گریہ کے نام سے مشہور کیا۔ جب اس مسئلہ کو دلائل کی بنا پر تسلیم کروانا ممکن نہ رہا تو طاقت اور ہٹ دھرمی کا طریقہ بروئے کار لایا گیا اور جس طرح جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی حکومت نے ایک قرارداد کے ذریعے مشرقی اور مغربی بیت المقدس کو متحد کر کے یروشلم کا نام دیا تھا، عین اسی طرح ۲۶ مئی ۱۹۹۸ء کو اسرائیلی پارلیمنٹ سے ایک قانون پاس کروایا جس کی رو سے دیوارِ براق کو مسلمانوں کی بجائے یہود کی ملکیت قرار دے دیا گیا۔

اب وہی دیوارِ براق جس کی لمبائی ۵۰ میٹر اور چوڑائی ۲۰ میٹر ہے اور جو باب المغاربہ

© rasailojaraid.com

سے ملحق ہے کے ساتھ یہودی مختلف کھدائیوں کے بہانے اپنا معبد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

یہودی جارحیت کے مضمرات اور اُمتِ مسلمہ کا فرض

پیچھے زیادہ تر مسجد اقصیٰ کے بارے میں صہیونیوں کی ریشہ دوانیوں اور عزائم کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن صہیونیوں کی ان کوششوں کے پس منظر میں کیا مقصد پوشیدہ ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ مسجد اقصیٰ کی چار دیواری بہت وسیع ہے۔ اس میں بنیادی طور پر دو بڑی عمارتیں ہیں، مغربی سمت میں مسجدِ اقصیٰ اور مشرقی سمت میں قبہ صخرہ۔ یہود کی عرصہ دراز سے یہ کوشش چلی آرہی ہے کہ وہ قبہ صخرہ کو مسجد اقصیٰ بنا کر مسلمانوں میں اس سے وابستگی کو ہی فروغ دیں۔ دوسری طرف وہ احاطہ جہاں مسجدِ اقصیٰ واقع ہے اور باب المغاربہ جو مسجدِ اقصیٰ کا براہِ راست واحد راستہ ہے جس کے ساتھ دیوار گریہ بھی واقع ہے، اس حصہ کے بارے میں ان کے عزائم خطرناک ہیں جیسا کہ اپریل ۲۰۰۵ء میں ہونے والی ملاقات میں ایریل شیرون نے واشنگٹن کو یہ منصوبہ پیش کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے ؛ جنوب مغربی کو منہدم کردیا جائے اور مشرقی حصہ کو باقی رہنے دیا جائے۔ اس منصوبہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جس عمارت کا انہدام صہیونیوں کے پیش نظر ہے وہ عین مسجدِ اقصیٰ ہے۔اسی لئے قبہ صخرہ کو مسجد اقصیٰ کے طور پر مشہور کیا جارہا ہے تاکہ اس کی موجودگی میں عام مسلمان شدید ردعمل کا شکار نہ ہوں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر یہود اس علاقے میں کوئی ہیکل تعمیر کرنا بھی چاہتے ہیں جس سے ان کے مذہبی جذبات وابستہ ہیں تو اس کے لئے مسجدِ اقصیٰ کا انہدام کیوں ضروری ہے اور وہ عین اس مقام پر ہی کیوں تعمیر ہوتا ہے جہاں یہ مقدس عمارت موجود ہے؟ مسجد اقصیٰ کے احاطے میں شمال مغربی حصہ اور دیگر بہت سے حصے بالکل خالی ہیں، وہاں وہ قبہ بھی ہے جس کے بارے میں اکثر مسلم علما کا موقف یہ ہے کہ اس قبہ صخرہ کی کوئی شرعی فضیلت نہیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے یہاں نماز پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ یوں بھی یہود کے ہاں قبلہ کی حیثیت اس کو حاصل رہی ہے کیونکہ اُنہوں نے خیمہ اجتماع کو اپنا قبلہ بنایا ہوا تھا جو قبہ صخرہ کے مقام سے اُٹھالیا گیا چنانچہ قبہ صخرہ کو اس کا آخری مقام ہونے کے ناطے اُنہوں نے اسے ہی اپنا قبلہ قرار دے لیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہود قبہ صخرہ پر کوئی تصرف کرنے کی بجائے سارا زور مسجدِ اقصیٰ پر ہی صرف کررہے ہیں؟

© rasaloejarald.com

ہماری نظر میں اس مسئلے کی حیثیت مذہبی سے زیادہ سیاسی ہے، بالفرض بیت المقدس کو یہودی کا مرکزِ عبادت تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں مختلف اقوام کی مرکزی عبادت گاہیں ان کے زیر انتظام نہیں ہیں۔اس کی بڑی مثال خود پاکستان میں ننکانہ میں سکھوں کا مذہبی مرکز (دربار گورونانک صاحب) ہے۔ اگر سکھ یہاں آکر باقاعدگی سے عبادت کرتے ہیں اور مسلمانوں نے اس کی اُنہیں اجازت دی ہوئی ہے،تو اس سے یہ مسئلہ قطعاً پیدا نہیں ہوتا کہ سکھ قوم کا لازماً ننکانہ شہر پر سیاسی قبضہ بھی ہونا چاہیئے۔ گویا مرکزِ عبادت ہونا اور سیاسی قبضہ ہونا دو ایسی چیزیں نہیں جو باہم لازم وملزوم ہوں۔ جس طرح سکھ ننکانہ صاحب میں آکر اپنی رسومات ادا کرتے ہیں، اسی طرح مسلمان مسجدِ اقصیٰ میں جا کر عبادت کرتے ہیں جو یہودیوں کے زیر انتظام ہے ...... گو کہ یہودیوں کا اس علاقے پر قبضہ بھی ایک مستقل سیاسی تنازعہ ہے جو عالمی تنازعوں میں سرفہرست ہے......اگر کسی قوم کا مرکز عبادت ہونا انکے سیاسی قبضہ کو بھی مستلزم ہے تو ہمیں کل کلاں سکھوں کو بھی یہ حق دینے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔

ان حالات میں صہیونیوں کا درپردہ مسجد اقصیٰ کو منہدم کرکے عین اسی مقام پر ہیکل کی تعمیر کا دعویٰ دراصل ایسا اقدام ہے جس کی عالمی قوانین اور تہذیب واخلاق کسی بھی اعتبار سے تائید نہیں کی جاسکتی۔اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کو اس علاقے سے کلی طور پر بے دخل کیا جائے اور بیت المقدس کو مسلم ذہنیت سے اسی طرح خارج کردیا جائے جیسے اندلس پر مسلمانوں کے دورِ حکومت تاریخ کا ایک باب بن کررہ گیا ہے۔صہیونیوں کا خیال ہے کہ بیت المقدس پر ان کے دائمی تسلط میں مسجدِ اقصیٰ کا وجود ایک مستقل رکاوٹ ہے جس کو ختم کئے بغیر وہ اس علاقے سے مسلمانوں کی دلچسپی کو ختم نہیں کرسکتے۔مسلمانوں کے مذہبی شعور سے بیت المقدس کو کھرچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ یہاں سے مسجدِ اقصیٰ کو سرے سے ہی منہدم کردیا جائے۔ یہ مسجد اقصیٰ کی ہی اہمیت ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان فلسطین کے دیگر شہروں تل ابیب یا بیت اللحم وغیرہ کے یہودیوں میں قبضہ میں چلے جانے سے اس طرح برافروختہ نہیں ہوتے جو سنگین صورتحال بیت المقدس کے سلسلے میں پیدا ہوتی ہے۔

مسجد اقصیٰ کے نیچے ہیکل کے آثار کا دعویٰ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہندوستان میں انتہا پسند

© rasailojaraid.com

ہندوؤں نے بابری مسجد کے عین نیچے مندر کے وجود کا دعویٰ کیا تھا اور اب ہندوستان کی انتہا پسند تنظیموں نے مزید سینکڑوں ایسی مساجد کے انہدام کا دعویٰ بھی کر ڈالا ہے کہ وہ سب مندروں پر تعمیر کی گئی ہیں۔ اس نوعیت کے دعووں کے ذریعے دراصل کسی قوم میں مذہبی اشتعال اور احساسِ محرومی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے تا کہ وہ پوری جذباتی وابستگی اور بھرپور قوت کے ساتھ اپنے مرکز عبادت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے مجتمع ہو جائے۔ اگر یہود مسجد اقصیٰ کے احاطے سے باہر کوئی بھی ہیکل تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو اس میں مسلمانوں کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ البتہ جہاں تک مسجد اقصیٰ کے احاطے کی بات ہے تو اس میں موجود مسجد اقصیٰ شرعی طور پر اور دیگر آثار تاریخی طور پر مسلمانوں کی ہی ملکیت ہیں۔ عالمی اداروں نے بھی انہیں مسلمانوں کا حق ہی قرار دے رکھا ہے، اس لحاظ سے یہود کو انہیں نقصان پہنچانے کا اخلاقاً وقانوناً کوئی حق نہیں۔

ان حالات میں جہاں اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے مقاماتِ مقدسہ کا شعور رکھے، ان پر ہونے والی جارحیتوں سے آگاہ ہو تا کہ وہ امہ کا ایک فرد ہونے کے ناطے اپنے اوپر عائد شرعی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوسکے اور اس فرض کی ادائیگی میں اپنا حصہ ڈال سکے وہاں مسلم اُمہ کے قائدین کا یہ براہِ راست فرض بنتا ہے کہ وہ مخالف کو سنگین جارحیت سے باز رکھنے کے لئے ہر ممکنہ اقدام بروئے کار لائیں۔ ہمارا فرض محض اس قدر نہیں ہے کہ ہم حقائق کو جاننے کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں بلکہ ان ظالمانہ اور تلخ حقائق کو بدلنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کرنا بھی ہم پر فرض ہے۔ مسلمانوں کا قبلہ اوّل اور بیت اللہ کے بعد تعمیر ہونے والا دوسرا مبارک ترین اللہ کا گھر صہیونیوں کی سازشوں کے نرغے میں ہے۔ سلطان ایوبی نے تو اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنے کی قسم کھائی تھی جب تک وہ بیت المقدس کو عیسائیوں کے تسلط سے آزاد نہ کرالیں، اُسی اُمتِ مسلمہ کے فرزند آج ۴۰ برس گزرنے کے بعد بھی نہ صرف مطمئن وپرسکون ہیں بلکہ آہستہ آہستہ کوتاہی اور مداہنت یوں اپنا اثر دکھا رہی ہے کہ مسلمانوں میں بعض ایسے کرما فرما بھی پیدا ہوگئے ہیں جو مسجدِ اقصیٰ کو اسی طرح یہود کی تولیت میں دے دینے کے داعی ہیں جیسے مسلمانوں کے پاس بیت اللہ الحرام کی تولیت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ذمہ عائد فریضے کو ادا کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ آمین (حسن مدنی)